© rasailojaraid.com

ماہر القادری بحیثیت سفر نامہ نگار

(کاروان حجاز کی روشنی میں)

ڈاکٹر سید عبدالباری

(صدر شعبہ اردو۔ جی ایس پی جی کالج اودھ یونیورسٹی بھارت سلطانپور یوپی)

دنیا کے علم وادب میں سفر نامہ نگاری کی روایت بہت پرانی ہے ساتھ ہی اس کے تقاضے بھی بے حد نازک اور پر آزمائش ہیں۔ اس صنف میں آدمی دوران سفر اپنی آپ بیتی بیان کرتا ہے۔ اس میں جس قدر بے تکلفی بے ساختگی ہو اور تصنع و آورد سے کنارہ کشی ہو اسی قدر اس صنف کے تقاضے بحسن وخوبی ادا ہوتے ہیں۔ پر تکلف انسان ذاتی کوائف اور واردات کے اظہار کے معاملہ میں سنگ دل ہوتا ہے۔ یوں ڈاکٹر سید عبداللہ کے الفاظ میں یہ "ممکن نہیں کہ کوئی شخص وہ سب کچھ لکھ دے جو اس پر اور اس کے دل پر گذر رہی ہے"۔ انہیں کے الفاظ میں "سچ کہنا یوں بھی مشکل ہے مگر اپنے متعلق سچ کہنا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ واقعات کی خارجی روداد (اپنے متعلق) اور چشم دید تفصیل (دوسروں کے متعلق) بیان ہو سکتی ہے"۔

(اردو نثر فنی ارتقا' مرتبہ فرمان فتحپوری ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دلی' ص ۳۵۳)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اپنے احساسات کی سر گزشت لکھنے کا بہترین ذریعہ ناول ہے جس پر سر دلبراں کو حدیث دیگراں بنا کر پیش کرنا ممکن ہے۔ سفر نامہ نہ تو فقط روزنامچہ ہے اور نہ محض آپ بیتی۔ یہ ٹھوس حقائق پر مبنی ہے اس لیے اس میں فکشن کی آمیزش پسندیدہ نہیں۔ مبالغہ بناوٹ اور اپنی ذات کی نمائش سفر نامہ نگار کے لیے مہلک ہوتی ہے۔ ملمع کاری اس کی کاوش کو فنا کے گھاٹ اتار سکتی ہے۔ اگرچہ سفر نامہ نگار نہایت فنکاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اپنی تحریر میں خود نوشت، خاکہ نگاری، رپورتاژ، انشائیہ اور ناول کی لطافت شامل کر لیتا ہے لیکن ہر مرحلہ میں وہ ملمع کاری سے پرہیز کرتا ہے اور بیرونی ملامت و تحسین سے بے نیاز ہو کر ہر وہ بات کہہ دینے کی کوشش کرتا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ کے الفاظ میں آپ بیتی کو ذاتی جلوہ نمائی، نمود و نمائش اور چھپ کر حملہ کرنے کا ذریعہ نہیں ہونا چاہیے" (ص ۳۶۱)

موصوف نے بڑی اچھی بات لکھی ہے کہ اردو میں روسو کے اعترافات کی طرح کی چیزیں نہیں لکھی جا سکتیں، اس لیے کہ "اردو کا آپ بیتی نگار مشرق میں بیٹھا ہے جہاں اس کے لیے ممکن نہیں کہ سچائی یا سچی تصویر کشی کی آڑ لے کر اپنی بداعمالیوں کی تشہیر کرتا پھرے اور حقیقت تو یہ ہے کہ بداعمالیوں کی تشہیر کی یہ حرکت خود مغرب کو بھی مہنگی پڑی، بالآخر یہ ہوا کہ لغزش کو تقاضائے بشریت سمجھنے کے بجائے بشریت کا زیور بنا لیا گیا"۔

یہ حقیقت ہے کہ مغرب میں حقیقت نگاری پستی اور فرومائیگی کی تشہیر کا ذریعہ بن گئی۔ زندگی کی گھناؤنی تصویر پیش کرنا، انسانیت کے کپڑے نکالنا اور ناگفتہ بہ باتوں کو مزلے لے کر بیان کرنا مشرق کی تہذیبی اقدار کے منافی رہا ہے، اسی لیے یہاں خود نوشت ہے یا سفر نامہ یا دیگر اصناف ادب، آدمی کو ننگا کر کے پیش کرنے کی کوششیں ناپسندیدہ رہی ہیں۔

سفر ناموں کا کینوس بے حد وسیع ہے اور بحیثیت ایک صنف ادب کے اس نے لامحدود امکانات کا ثبوت دیا ہے اور زندگی کے جملہ پہلوؤں اور کائنات کی جملہ رنگارنگی کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ ابتدائی ادوار میں سفر نامہ کسی ملک کے جغرافیائی و تاریخی احوال کے بیان تک محدود تھا۔ مناظر فطرت، ہوٹلوں اور مسافر خانوں کی تفصیلات، قیام و طعام اور مشروبات و ماکولات کا تنوع، قدیم محلات، پختہ مقابر، خوبصورت محرابوں اور مناروں کی تفصیل اور سنے سنائے قصوں کو دہرانے تک اس کی کائنات محدود تھی، لیکن دھیرے دھیرے یہ سفر نامہ نگار کے تاثرات واحساسات اور اس کی فکر و نظر کا آئینہ بن گیا جس میں ہر طرح کے جذبہ تفاخر و نمائش سے بالاتر ہو کر مصنف اپنے قاری کو شریک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سفر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ شبلی نعمانیؒ اس صنف کی وادی میں قدم رکھنے والے کو آگاہ کرتے ہیں:

"ایک بڑی غلطی جو عموماً سفر نامہ لکھنے والوں سے واقع ہوتی ہے جزئیات سے کلیات کا قائم کرنا ہے، یعنی جن لوگوں سے مصنف کو واسطہ پڑتا ہے ان کے اخلاق و عادات و خیالات کے توسط سے تمام قوم کی نسبت رائے قائم کر لیتا ہے اور ہر واقعہ کے ساتھ قیاسات کو داخل کر دیتا ہے اور ان قیاسات کے وقت وہ حسن ظن یا سوے ظن جو پہلے سے اس کے دل میں موجود تھا چپکے چپکے اپنا کام کرتا ہے اور اس کو خبر نہیں ہوتی" (سفر نامۂ مصر و شام)۔ چنانچہ سفر نامہ نگاری اگر دیانت داری اور نکتہ رسی سے کام نہ لے تو اس کی تحریروں سے خاصی گمراہی پیدا ہو سکتی ہے۔

سفر نامہ نگار کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ صاحب قلم اور قادر الکلام بھی ہو۔ اسے بات کہنے کا سلیقہ معلوم ہو۔ اس کے اندر مشاہدہ کی قوت کے ساتھ دلچسپ اور لطیف پیرائے میں اظہار خیال کا ہنر آتا ہو۔ انور سدید کے الفاظ میں "وہ مشاہدہ کو تخلیقی انداز سے بیان کرنے کی اہلیت بھی رکھتا ہو" سید عبد اللہ کے الفاظ میں جو سفر نامہ نگار کے اندر یہ اہلیت ہونی چاہئے کہ "لمحہ رواں میں آنکھ کان زبان اور احساس سے ٹکرانے والی ہر شئے نظر میں سما جانے والی ہو۔ تماشہ 'نغمہ و نکہت کا ہر صوت و رنگ لفظوں امیجری کی میں جمع ہو کر بیان کو مرقع بہا بنا دے اور قاری ان تمثالوں میں جذب ہو کر خود کو اس مرکب آئینہ گری کا حصہ بنالے (پیش لفظ حافظ و خیام کی سرزمین' مصنف مقبول درخشاں)

مرزا ادیب کے خیال میں سفر نامہ تخلیقی تجربہ ہے اور اس کا خالق جس مقام سے گذرتا ہے اس کی ساری خوشبوئیں سارے باطنی رنگ اور اس کی وہ ساری کیفیات جو سراپردۂ راز میں چھپی ہوئی ہیں سمیٹ لیتا ہے" (اوراق' لاہور' ۸ ے ۱۹ء)

اردو میں سفر نامہ کی عمر ڈیڑھ سو برس ہے' لیکن اس دوران اس صنف ادبؒ نے غیر معمولی ترقی کی اور دنیا جہان کے مسائل و معاملات کی اس میں سمائی ہو گئی اور اپنی بو قلمونی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا۔ اس کی تکنیک میں بے حد لچک ہے۔ اس میں انشائیہ کا حسن اور داستان کی دلکشی دونوں جلوہ گر ہے۔ ڈاکٹر خالد محمود کے الفاظ میں "اس قدیم بیانیہ صنف نے اپنے طویل سفر کے دوران کئی روپ بدلے اور کئی منزلیں طے کی ہیں۔ شروع میں سفر نامہ کا مقصد محض افادیت تھا۔ اس میں ادبیت کی چاشنی ثانوی حیثیت رکھتی تھی۔ دور جدید میں سفر نامہ نگار خارج یا ظاہر سے زیادہ داخل یا باطن میں سفر کرتا ہے۔ وہ اپنے احساسات کو زبان دے کر سفر نامہ کو فکشن کا ہمنوا بنا دیتا ہے"۔

(اردو سفر ناموں کا تنقیدی مطالعہ' ڈاکٹر خالد محمو' مکتبہ جامعہ دہلی' ص ۵۹)

مشفق خواجہ بھی یہی خیال ظاہر کرتے ہیں کہ اچھا "سفر نامہ" "مقامات سفر سے زیادہ کیفیات سفر بیان کرتا ہے۔

حج کا سفر نامہ عام سفر ناموں سے اس معاملہ میں مختلف ہوتا ہے کہ اس میں مصنف فی الامکان تصنع اور نمائش سے پرہیز کرتا ہے۔ اس سفر میں وہ پاکیزہ جذبات سے سرشار ہوتا ہے اور اس کی روح بے نقاب ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اردو میں حج کے متعلق ایسے سفر نامے بہت لکھے گئے جن میں حج کے ارکان اور فرائض و مستحبات کی تفصیلات سے لوگوں کو آگاہ کرنا مقصود ہے' لیکن ایسے سفر ناموں کی بھی کمی نہیں جنہیں محبت و عقیدت سے سرشار دلوں کی کیفیات کی مرقع نگاری قرار دے سکتے ہیں۔ ہندوستان میں ابتدا فارسی عربی میں حج سے متعلق بڑے نادر سفر نامے وجود میں آئے اور اپنے زمانہ کی باکمال شخصیتوں کے قلم سے مثلاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا ۱۵۸۹ء کا سفر نامہ' شاہ ولی اللہ کا ۱۷۲۸ء کا سفر نامہ' نواب شیفتہ کا ۱۸۳۹ء کا سفر نامہ' نواب صدیق حسن کا ۱۸۶۸ء کا سفر نامہ وغیرہ۔ بیسویں صدی میں شیخ الہند مولانا محمود حسن' عبدالماجد دریا بادی' غلام رسول مہر' مسعود عالم ندوی' ابوالحسن علی ندوی' ابوالاعلیٰ مودودی' نسیم حجازی' شورش کاشمیری اور خواجہ حسن نظامی وغیرہ نے اس صنف کے معیار و اعتبار میں اضافہ کیا۔ اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ماہر القادری کا سفر نامۂ حج "کاروانِ حجاز" بھی ہے جو ۱۹۵۴ء میں صفحہ قرطاس پر منتقل ہوا۔ یہ سفر نامہ اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے اردو کے ممتاز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ومعروف سفر ناموں میں سے ہے جو آج تک متواتر پڑھا جارہا ہے اور جس کی دلکشی اور شادابی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اگرچہ اس عنوان سے بے شمار تحریریں منظر عام پر آچکی ہیں۔

اس سفرنامے کی سب سے بڑی خوبی اس کا پرکشش بے تکلف اور ادبی لطافتوں سے لبریز اسلوب بیان ہے' اس کا آغاز کس بے تکلفی سے ہوتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی آبشار اچانک کسی پہاڑ کی بلند چٹان سے پھوٹ پڑا ہو لکھتے ہیں :

"مکہ" مدینہ کی محبت یوں سمجھئے مجھے گھٹی میں پلائی گئی تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی ان مقدس ناموں سے کان اچھی طرح آشنا بلکہ مانوس تھے۔ والد مرحوم کس ذوق شوق سے امیر مینائی کا یہ شعر جھوم جھوم کر پڑھا کرتے تھے :

مدینہ جاؤں پھر آؤں مدینہ پھر جاؤں　　تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

خود ان کی نعتیہ شاعری میں مدینہ منورہ کی حاضری کا کتنا شدید اشتیاق ملتا ہے۔ :

الٰہی وہ دن کونسا ہے کہ یہ سب　　مدینہ ظریفؔ ان دنوں جارہے ہیں

انیس کو شبیر کی مداحی میں اپنی سات پشتوں کے تسلسل پر فخر تھا اور غالبؔ کو پیشہ سپہ گری کی سو سالہ خاندانی روایت پر ناز' مگر ماہر خوش بخت ہیں کہ ان کو دنیا کی سب سے زیادہ عظیم سعادت یعنی سرکار دو عالم ﷺ سے والہانہ عشق اور مدینہ کی حاضری کا اشتیاق اپنے والدین سے وراثت میں ملا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی اور شاعری کے ابتدائی دور ہی میں حضور اقدس ﷺ کی شان میں ایسی نظم کہی جو لوگوں کے دل و دماغ پر نقش کالحجر بن گئی۔ "ظہور قدسی" میں ماہر نے رسول ﷺ اللہ کی دنیا میں تشریف آوری اور تاریخ انسانی پر آپ کے عظیم احسانات کا جس والہانہ انداز سے ذکر کیا ہے وہ اردو ادب میں ایک شاہکار کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ "کاروان حجاز" تقریباً ۲ سال بعد ماہر کے قلم سے اسی نظم کا اردو نثر میں نقش ثانی محسوس ہوتی ہے اور اسے بھی وہی عالمگیر مقبولیت حاصل ہوئی جو ان کی نظم "ظہور قدسی" کو حاصل ہوئی تھی۔ شاید ماہر کی اس خود گذشت میں کوئی مبالغہ نہیں :

"خدا شاہد ہے اور میری آشفتہ مزاجیاں اس کی گواہ ہین کہ زندگی ہر طرح کے مرحلوں سے گذری مگر کسی عالم میں بھی دل مکہ مدینہ کی یاد سے خالی نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہا۔ (کاروانِ حجاز ص ۴)

ماہر کا یہ سفر نامہ نثر اور نظم کا ایسا آمیزہ ہے جس میں بیک وقت شاعرانہ حسن بیان بھی ہے اور نثر کا قطعیت کے ساتھ بات کہنے کا مزاج بھی۔ یہاں تخیل کی پرواز بھی ہے اور حکمت و بصیرت کی چنگاریاں بھی۔ مولانا آزاد نے غبار خاطر میں فارسی اور اردو کے اشعار بکثرت استعمال کیے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اپنی نثر کو قدیم اساتذہ کے برمحل اشعار سے مزین کرنے میں غیر معمولی مہارت حاصل ہے لیکن کہیں مولانا تکلف و تصنع کی بادشمال کی زد میں آگئے ہیں۔ ماہر چونکہ شاعر ہیں اور قادر الکلام شاعر اور جگہ جگہ زیادہ تر خود اپنے اشعار پیش کرتے ہیں، اس لیے ان کی نثر میں یہ پیوند کاری نہیں محسوس ہوتی، کبھی کبھی ان کے اسلوب پر ابوالکلام کا رنگ غالب آجاتا ہے۔ وہی خطیبانہ انداز گفتگو، وہی وقار و تمکنت، وہی بلند آہنگی اور رکھ رکھاؤ، لیکن وہ انکشاف ذات کے معاملہ میں مولانا سے آگے نکلتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں:

> "یہ شعر ہزاروں بار سنا اور پڑھا ہے...... خدا خود میر سامان است ارباب توکل را............ مگر نفس کی آرام طلبی اور درازدستیوں کی بدولت اس شعر کی معنویت سے پشیمان ہونا پڑا۔ کھانے پینے کی ایک ایک چیز کا سامنا کیا اور جزئیات کا اس قدر اہتمام کیا کہ اچار کے مرتبانوں سے لے کر بھنے ہوئے چنوں کی تھیلی تک ساتھ لی گئی جو لوگ پہلے حج کر چکے تھے ان کے پاس جا جا کر پوچھا کہ کیا چیز ساتھ لیں کیا نہ لیں"۔

سفر نامۂ نگار اپنے نفس کی دراز دستیوں کا اسی طرح جگہ جگہ ذکر کرتا ہے۔ اعتراف عجز اور اپنی لغزشوں پر احساس ندامت انسان کے قد کو بلند کر دیتا ہے اور اس کی خود نوشت کی اثرانگیزی اور پایۂ اعتبار میں اضافہ کا موجب ہوتا ہے۔

ماہر القادری نے حج کا یہ سفر آج سے تقریباً نصف صدی قبل اس وقت کیا جب کہ سمندر اور صحرائی سفر اور مکے و مدینہ میں قیام میں وہ سہولتیں حاصل نہیں تھیں جو اب مہیا ہیں ایک حاجی کو کافی جسمانی مشقتوں کے مراحل سے گزرنا پڑتا تھا۔ اس سفر نامے میں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عہد کے احوال کا ایک مفصل ذکر ہمارے لیے موجودہ آسائشوں سے تقابل میں معاون ہوتا ہے اور اپنے اسلاف کے لیے احترام کے جذبات سے ہمارے دلوں کو لبریز کر دیتا ہے جو ہزار دقتوں کے باوجود دیار دم میں حاضری کو اپنے لیے دنیا کی سب سے بڑی سعادت شمار کرتے تھے۔

ماہر کراچی میں "وکٹوریہ" میں بیٹھ کر پانی کے جہاز پر سوار ہونے کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ کراچی بمبئی اور دیگر بڑے شہروں میں اس عہد میں چلنے والی چار پہیوں کی اس گاڑی کا ذکر ہم پر رومانی کیفیت طاری کر دیتا ہے۔ اس طرح کے متعدد حوالوں سے ہمارے ماضی کی بازیافت ہوتی ہے۔ یہ سفر نامۂ پانی کے جہاز سے بحری سفر کا ایک دلکش مرقع ہے۔ ماہر جزئیات نگاری کے ماہر ہیں۔ ابتدا میں ہم قلیوں کے' جہاز پر سامان لانے جہاز کی سیڑھیوں پر باچشم تر چڑھنے پھر اس کے ڈیک پر جگہ حاصل کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کے مناظر سے دوچار ہوتے ہیں' پھر سمندری سفر کی ایک ایک تفصیل سامنے آتی ہے لیکن اس کے درمیان حکمت و موعظت اور احتساب نفس کے جواہر پارے بھی ہاتھ آتے رہتے ہیں۔ مثلاً

"حرم کے سفر میں بھی خود غرضی کا جذبہ فنا نہیں ہوا۔ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچانا اور ایثار کرنا کہاں مسلمان کی خصوصیت تھی مگر اب اس کے لیے آنکھیں ترستی ہیں۔"

"یہ ٹھاٹ باٹ دکھانے کا نہیں اللہ کی راہ میں فقیر و محتاج اور عاجز و ذلیل بن کر جانے کا موقع ہے' یہاں تزک و احتشام کا تصور بھی معصیت ہے"۔

مصنف کے اس طرح کے انکسار کے جلوے قاری کا دل موہ لیتے ہیں۔

"مجھ سے بڑھ کر ناشکرا اور کافر نعمت کوئی بھی نہ ہوگا۔ اگر یہ وسوسہ بھی دل میں لاؤں کہ یہ جو کچھ آسانیاں میرے لیے پیدا ہو رہی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ادب و صحافت اور شاعری کی وجہ سے لوگ مجھے جانتے ہیں۔ حالانکہ جو کچھ ہو رہا ہے محض اللہ کا کرم ہے"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماہر کی قوت بیان کا سحر' اختصار روانی اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں مافی الضمیر ادا کرنے کا ہنر ملاحظہ ہو :

"نماز مغرب کے بعد کھانا کھایا' پھر عشا کی نماز پڑھی' رات کے دس بجے ہیں اور اب ہم ہیں' جہاز ہے پانی ہے اور آسمان ہے اور آگے خدا کا نام ہے"۔

خوبصورت منظر نگاری' تشبیہوں اور تمثیلوں کا جلال و جمال' کائنات کے ازلی و ابدی حقائق کی مرقع کشی ماہر کی تحریروں میں اس طرح ابھرتی ہے کہ ہم حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ ان کو بڑا شاعر تسلیم کریں یا بڑا نثر نگار یا غالب کی طرح بیک وقت دونوں مملکتوں کا تاجدار۔ حج کے سفرناموں میں سمندر پر کیا کسی نے ایسی گہری نگاہ ڈالی ہو گی' لیکن وہ قاری کو مناظر میں کھو جانے نہیں دیتے' بلکہ تخلیق اور مالک ارض و سما کی طرف ذہن کو موڑ دیتے ہیں۔

"سمندر جس کی نہ تھا ملتی ہے اور نہ اور چھور دکھائی دیتا ہے۔ اس پر جہاز ایک تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ سمندر کی ایک پر شور موج اس کو تہہ و بالا کر سکتی ہے۔ یہ صرف اللہ کی قدرت ہے جو جہاز کو تیرا رہی ہے اور موجوں کو اس طرح تھام رکھا ہے کہ وہ بلند تو ہوتی ہیں۔ مگر جہاز کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ سائنس کی معجز نمائیاں برحق' لیکن سائنس کا کام ایجاد ہے تخلیق نہیں۔"

اور پھر اس نتیجہ تک رہنمائی کرتے ہیں۔ اس عالم اسباب اور جہان کون و فساد میں سب سے بڑی حماقت بے دانشی اور جہالت خدا کا انکار ہے۔ ماہر القادری اقبال کی طرح صحرائیت پر جان فدا کرنے والا ہے اور عرب کے صحرا نشینوں کی سادگی اور جفاکشی کو بنظر تحسین دیکھتا ہے۔ جہاز کے ڈیک پر جب وہ بے سروسامان بنگالی حاجیوں کو دیکھتا ہے تو اسے اسلام کے درخشاں ماضی کی دل نواز شخصیتیں یاد آجاتی ہیں۔ ماہر لکھتے ہیں :

"ان کی بے سروسامانی قابل صد ہزار رشک ہے۔ خدا کے جن نیک اور برگزیدہ بندوں نے مصر و شام فتح کیا تھا اور مدائن و نینوا کے تخت الٹ دیتے تھے وہ بھی اپنی آسائش و آرام کے لیے بہت کم سامان رکھتے تھے۔ اسلام کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریخ کا وہ دن سب سے زیادہ منحوس تھا جس دن عرب کی سادگی کو عجمی تکلف نے دبا لیا"۔

اس سفرنامے میں قدم قدم پر حکیمانہ جملے برق کی مانند کوند اٹھتے ہیں اور ہمارے ذہن ودماغ کی تنویر کا ذریعہ بنتے ہیں۔ "خلوص' بے نفسی اور مقصد سے عشق ہو تو توتلائی ہوئی زبان سے نکلے ہوئے جملے دلوں میں گھر کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ نہ ہو اور صرف نمود ونمائش مقصود ہو تو فصاحت کے دریا بہا دینے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔

اس سفرنامے میں ماہر صاحب کے سیاسی تہذیبی' ملی' معاشرتی رجحانات اور نظریات پر جگہ جگہ روشنی پڑتی ہے۔ وہ بے تکلفی سے دین کے معاملہ میں عدم توازن دیکھتے ہیں اس کی نشاندہی کرنا اپنا فرض تصور کرتے ہیں' اس سے اس سفرنامے کی علم و تہذیبی معنویت میں اضافہ ہوتا ہے۔ تبلیغی جماعت کے روشن پہلوؤں کے ساتھ اس کی ایک خامی کی وہ گرفت کرتے ہیں تبلیغی جماعت کے ایک نوجوان کی جو جہاز میں تقریر کر رہا تھا اس بات پر کہ "ہم دنیا نہیں چاہتے' مال وزر نہیں چاہتے' حکومت نہیں چاہتے' میں نے اس وقت تو کہنا مناسب نہیں سمجھا وعظ کے بعد الگ لے جا کر کہا کہ "آپ کی تبلیغی جماعت کے رکن رکین علامہ ابوالحسن علی میاں نے لکھا ہے کہ اقامت دین کے لیے حکومت حاصل کرنا بھی دین ہی کا کام ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد عرب میں ایک اسلامی حکومت چھوڑی تھی اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ نے بادشاہوں کے دربار میں جا کر ان کے باطل اقتدار کو چیلنج کیا تھا"۔

اس سفرنامے میں ماہر رفقائے سفر حج کا بھی جگہ جگہ ذکر کرتے ہیں اور بڑے دلکش پیرائے میں۔ بہاولپور کے ایک جج صاحب مولانا مودودیؒ کے بارے میں سخت غلط فہمی کے شکار تھے۔ ماہر صاحب ان کو عقل ودلیل کی روشنی میں قائل کرتے ہیں کہ بدگمانی اور سوء ظن سے کام نہ لیں اس لیے کہ اس پر خدا کے یہاں مواخذہ ہوگا۔

ماہر کی قلندری ودرویشی میں شاہانہ تمکنت کا عنصر بھی شامل ہے۔ سفرنامے میں ان کی شخصیت کی گرہیں در حدیث دیگراں کھلتی جاتی ہیں۔ اسد ملتانی کے ذکر کے سلسلہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو پاکستان میں اسسٹنٹ سیکرٹری تھے، لکھتے ہیں:

"ہم جیسے خاک نشینوں کو ان کے سرکاری عہدہ میں ذرا بھی کشش نہیں ان کے اسلامی افکار اور ان کی سادگی کردار ہے"۔

اسی سلسلہ میں وہ شعر و ادب کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہیں:

"اسد ملتانی میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ واضح فکر اور سلجھا ہوا دماغ رکھتے ہیں، بات جچی تلی کہتے ہیں، مطالعہ وسیع ہے۔"

اسی ضمن میں چلتے چلاتے احمق پھپھوندوی کا یہ شعر بھی ماہر کی نوک قلم پر آجاتا ہے:

ہے رقیبوں کے محلہ میں ہمارا بھی مکاں
اس طرف بھی آنکلیے گا اودھر جاتے ہوئے

پھر یہ سجدۂ سہو بھی ملاحظہ ہو:

"سفر حجاز میں اس قسم کے شعر و شاعری کے تذکرے مناسب نہیں اور ہم اس معاملہ میں احتیاط بھی برت رہے ہیں، لیکن وہ جو کسی نے کہا ہے کہ "چور چوری سے جائے گا ہیرا پھیری سے تھوڑی ہی جائے گا"۔ تو برسہا برس کی پڑی ہوئی عادت اپنے اظہار کے میلے ڈھونڈھتی ہے"۔

حضرت ماہر اس سفرنامے میں اپنی تازہ تر تخلیقات سے جو سب کی سب رسول اکرم ﷺ اور آپ کے دیار سے محبت و شیفتگی کے جذبات سے محظوظ ہیں ہم کو محفوظ ہونے کا موقع عطا کرتے ہیں، مثلاً ان کی ایک تازہ غزل کے یہ اشعار سفر کی مناسبت سے قاری کے کیف و انبساط میں اضافہ کا ذریعہ بنتے ہیں۔ حسن بیان، روانی، شگفتگی، والہانہ شیفتگی دل موہ لیتی ہے:

شوق طلب ہے راہبر جوش جنوں ہے پاسباں
سوئے مدینۃ النبی کون ہے یہ رواں دواں
ان کا خیال، ان کی یاد، ان کا ہی ذکر و داستاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شکر خدا کہ اب نہیں ایک نفس بھی رائیگاں
زندگی آج تک تو تھی رنج و خوشی کی دھوپ چھاؤں
اب ہے بہ فیض قرب دوست حاصل عیش جاوداں

ماہر سچے عاشق رسول ہیں مگر وہ بارگاہ الٰہی میں سوے ادب کے قائل نہیں اور محبت و عقیدت رسول میں غلو کے خلاف ہیں۔ وہ ایسے نعت گو شعرا پر معترض ہیں جو حضور ﷺ کی تعلیم کے خلاف حضور ﷺ کو درجہ الوہیت دیتے اور استمداد و استعانت کے لیے آپ ﷺ کے سامنے عضو دست طلب دراز کرتے ہیں۔ ماہر کو یہ بھی احساس ہے کہ وہ خود ماضی میں اس غلو کے شکار رہ چکے ہیں مگر مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتابوں کے مطالعہ سے عقیدۂ توحید کو نکھارنے میں ان کو مدد ملی پھر بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ برسہابرس کی غفلت اور بری عادتوں کا خمار اترتے اترتے ہی اترے گا۔ اسی رو میں یہ جملہ نوک قلم پر آتا ہے:

"شعر و افسانہ سے غیر معمولی شغف رکھنے کے نقصانات کا احساس ہوا" اسلام میں توازن پسند کیا گیا ہے اور انتہا پسندی سے گریز کی تعلیم دی گئی ہے۔ ماہر ایسی شاعری پسند نہیں کرتے جو دیگر فرائض حیات کی ادائیگی میں انسان کو کوتاہ بنادے۔

ماہر کے اس سفر نامۂ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ان کے تاثرات و قلبی کیفیات کا ہی آئینہ دار ہی نہیں بلکہ ایک مسافر پر خارجی طور پر جو واردات ہوتے ہیں یہ ان کی بھی داستان موجود ہے۔ جدہ میں حاجیوں کے قیام کی بارکیں، قلیوں کے سامان اتارنے اور سامان کی تلاش و شناخت میں افرا تفری کا منظر ہمارے سامنے مصور ہو کر آتا ہے۔ تفصیلات و جزئیات پر ہر ایک کی نگاہ پڑتی ہے اور ضرورت کے مطابق انتخاب کر لیتی ہے کہ کیا بیان کیا جائے اور کس کو نظر انداز کیا جائے۔ بعض لوگوں کے ٹرنک اور کنستر دب کر پچک گئے ہیں اور بعض کے ڈبوں سے گھی ٹپک رہا ہے۔ کھجور کی بنی ہوئی کرسی جو چائے خانوں کے سامنے موجود ہے ماہر کے لیے خاص طور پر وجہ کشش ہے، جس پر ان کی رات گزرتی ہے۔ سامان کے معاملہ مین بے فکری اور شرعی حدود کے نفاذ کی برکتوں کا وہ ذکر کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماہر کی یہ سطریں قاری کی چونکا دیتی ہیں کہ وہ جدہ میں اسپرٹ نہ ملنے کی وجہ سے اپنا اسٹو جلا کر کھانا نہیں پکا سکتے۔ یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب زیر زمین ذخائر کا علم نہ تھا جس نے اس خطہ کے صبح و شام بدل دیئے یہ باتیں فکشن کا سا لطف دیتی ہیں کہ ماہر لکڑی خرید کر لاتے ہیں تاکہ دوپہر کا سالن تیار ہو سکے، مگر لکڑیاں جلنے سے قاصر ہیں اور ایک دوکاندار ترس کھا کر اپنے اسٹو پر ان کی دال کی دیگچی چڑھا دیتا ہے۔

خانہ کعبہ پر حاجی کی پہلی نگاہ پڑنے کا منظر بھی بڑا تاثیر انگیز ہوتا ہے۔ تقریباً حرمین کے تمام سفرناموں میں اس گھڑی کی کیفیت بڑے سوز و گداز کے ساتھ قلمبند کی گئی ہے۔ ماہر کا انداز بیان اور تاثیر ملاخط ہو:

"یا اللہ میں کہاں آگیا ہوں۔ یہ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ مجھ سا پلید اور حرم مقدس میں مجھ سا خطاکار گنہگار اور معاصی سرشت اس مقام پر جہاں ہر زمانہ کے اتقیاء صلحاء اور پاکبازوں و نیکوکاروں نے سجدے اور طواف کئے ہیں۔ یہ پیروں سے نہیں سر کے بل چلنے کا مقام ہے۔ کلاہ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید" صفا و مروہ، ملتزم و حطیم، جبل رحمت و چاہ زمزم پھر رباط دل آرام میں قیام کی تفصیلات سے ہم یوں روشناس ہوتے ہیں جیسے آنکھوں کے سامنے مرقعے ہی مرقعے یکے بعد دیگرے آ رہے ہوں۔

ہم اس سفرنامۂ میں بعض نہایت دلکش شخصیتوں سے روشناس ہوتے ہیں۔ جو سفرنامۂ نگار کی ہم عصر ہیں۔ یہ تصویریں بھی زندہ و متحرک ہیں۔ ظفر احمد انصاری سے ماہر کی تحریر کے پردے پر ملاقات کیجئے:

> "انصاری صاحب سر تا بقدم اخلاص ہی اخلاص اور محبت ہی محبت ہیں۔ اس غرض پرست دنیا میں ایسے مخلص دوست کہاں ملتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس دبلے پتلے مولوی صورت شخص نے الہ آباد یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم اے کیا ہے اور یونیورسٹی بھر میں اول رہا ہے"۔

پھر ہم اس طرح کے لطیف جملوں سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں:

> "ہم جبل رحمت سے جلد جلد واپس ہوئے۔ راستہ میں ایک جگہ کچھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاجیوں میں تکرار ہو رہی تھی۔ غالباً پانی بھرنے پر غلام محمد صاحب نے اشارہ کر کے کہا کہ اس عرفات کے میدان میں وہ شیطان کی حد ہے جہاں سے کہا جاتا ہے کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکتا اور حاجیوں کے دینی شغف اور اطاعت الٰہی کا منظر دیکھ دیکھ کر اپنے سر پر خاک ڈالتا رہتا ہے مگر کبھی کبھی کچھ حاجیوں کو لڑانے کے لیے ادھر آ بھی جاتا ہے"۔

پھر اس سفرنامے میں اس طرح کی بصیرت مندانہ باتوں اور اس طرح کے انقلاب فریں میں خیالات سے بھی بیچ بیچ میں ہم بہرہ مند ہوتے ہیں۔

"اسلام قیصر و کلیسا کی حد بندی کا قائل نہیں ہے۔ اس میں پوری کی پوری زندگی اور ظاہر و باطن کا تمام کا تمام نظام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، مگر افسوس کہ دین کے اس تصور کامل اور ان حیات گیر حدود عمل کی طرف توجہ کم جاتی ہے۔ ہم مسلمانوں میں بہت سے تہجد و اشراق پڑھنے والے ان فیصلوں کو صریحاً اسلام کی ضد مان لیتے ہیں۔ کافرانہ نظام اور غیر اسلامی ماحول میں رہتے رہتے فکر و نظر کا اب یہ عالم ہو گیا ہے کہ اس پر متنبہ کیا جاتا ہے تو لوگوں کو دین کامل کی یہ دعوت اجنبی اجنبی سی معلوم ہوتی ہے" (کاروان حجاز، ص ۵۴)

"شیطان اور نفس کے دھوکے بڑے ہی نازک اور پر پیچ ہوتے ہیں" وغیرہ۔

ماہر کی پیکر تراشی میں بھی مہارت ہے مولانا حکیم ایوب حسن صاحب کی چند جملوں میں تصویر کھینچ دیتے ہیں۔ ماہر کو انسانی نفسیات کا تجزیہ کرنے کا بھی شوق ہے۔ منیٰ وغیرہ میں پانی کے لیے کشمکش اور دوسروں سے مانگنے کی عادت کا وہ ذکر کرتے ہیں پھر یہ جملہ ملاحظہ ہو:

"ہر شخص اپنی دنیا بنانے اور سارے جہان کی لذتیں سمیٹنے کی فکر میں ہے۔"

"آدمی نے ضروریات زندگی کے نہ جانے کتنے طوق خود اپنی گردن میں پہن رکھے ہیں اور اس مدنیت پر وہ فخر کرتا ہے اور ضرورتیں ہیں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی طرح پوری نہیں ہو پاتیں."

منیٰ میں بدوؤں کی بے سروسامانی پر ماہر القادری کا تاثر ملاحظہ ہو:

"آدمی زندگی کی ضرورتوں کو مختصر کرنا چاہے تو کر سکتا ہے مگر تمدن حاضر اور تہذیب موجودہ کا تقاضا ہی یہ ہے کہ زندگی کی ضرورتوں کو بڑھاتے چلے جاؤ۔ یہ بے شمار کارخانے اور فیکٹریاں بس اسی مقصد کے لیے کام کر رہی ہیں."

حرم شریف میں اذان صبح کی کیفیت ماہر اس سفر نامۂ میں بیان کرتے ہیں اور قاری پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے:

حرم میں اذان سحر اللہ اللہ   کہ ہیں وجد میں بام و در اللہ اللہ
یہ میزاب رحمت وہ رکن یمانی   مقامات اہل خبر اللہ اللہ
دھڑکتے ہوئے دل کالے کر سہارا   مناجات با چشم تر اللہ اللہ

تبلیغی جماعت پر یہ جامع تبصرہ ملاحظہ ہو:

"ابھی تو یہ لوگ اہل صفہ تیار کر رہے ہیں۔ نہ جانے اصحاب بدر و احد کی تربیت کا پروگرام کب شروع ہوگا".

ماہر القادری کی ذاتی زندگی، ان کی پسند و ناپسند، ان کا معیار اخذ و ترک اس سفر نامے کو حقیقت کا رنگ عطا کرتے ہیں۔ ان کی آرا سے ہم اختلاف کر سکتے ہیں، مگر مصنف کے اخلاص اور خون جگر کی نمود اس کی تحریر کو تھرتھراہٹ عطا کرتی ہے۔ اس سے ہماری بصیرت میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور یہ ہمارے لیے وجہ انبساط بھی بنتے ہیں۔ جماعت اسلامی پاکستان کے کارکنوں کو عربی لٹریچر تقسیم کرتے ہوئے دیکھ کر رقمطراز ہیں:

اخوان مولانا مودودی کی کتابوں سے خاصے متاثر ہیں۔ جماعت کے طرز فکر کے بھی معترف و مداح ہیں" .... لوگ جب سنتے ہیں کے اسلامی دنیا کا اتنا بڑا مفکر قید و بند میں ہے تو افسوس کرتے ہیں" ماہر کو سفر حج کے دوران اخبارات سے محرومی کا احساس ہے لیکن پھر یہ موعظت .... "زندگی کی سب سے بڑی ضرورت تو اللہ کی یاد ہے۔ یہ نہیں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی زندگی نہیں بلکہ الٹی شرمندگی ہے۔ کوئی شخص دنیا بھر کی خبروں سے مطلع ہوتا رہے مگر یاد خدا سے غافل ہو تو یہ دنیا کے واقعات سے آگہی اس کی زندگی کے لیے کس کام کی ہے :

خیال و فکر کی شیشہ گری میں کچھ بھی نہیں
یقیں نہ ہو تو فقط آگہی میں کچھ بھی نہیں

عرب شخصیات میں وہ سعید رمضان اور علی طنطاوی کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں۔ اس ضمن میں مؤتمر اور اخوان دونوں تنظیموں کے جلسوں کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں جن میں ماہر نے شرکت کی۔ عربوں کی قوت خطابت کا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

”عربوں کی خطابت کا کیا کہنا چاہیں تو شعلے بھڑکا دیں اور چاہیں تو بادل برسا دیں“۔

حیدر آباد (ہندوستان) کے حاجیوں سے مل کر ماہر اپنے ماضی کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ حیدر آباد میں گذرے ہوئے ایام بھی ان کی لوح ذہن پر ابھر آتے ہیں۔ حیدر آباد کا پولیس ایکشن اور اس کے نتیجے میں آنے والی تباہی و بربادی کا وہ ذکر کرتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ تقسیم ملک پر نہایت فاضلانہ تبصرہ کرتے ہیں جس سے ان کے عصری شعور اور سیاسی آگہی کا ثبوت ملتا ہے :

”کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کی تقسیم بہت جلدی اور اضطراب کے عالم میں ہوئی.“

مسلمان رہنماؤں کا فرض تھا کہ وہ اس کے عواقب سوچتے اور اس سے بڑھ کر یہ بات سوچنے اور غور کرنے کی تھی کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا۔ کانگرس اور مسلم لیگ کی کشمکش نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی آپس کی تلخیوں کو جس نقطہ تک پہنچا دیا تھا اس کے اعتبار سے کیا یہ ممکن تھا کہ ہندو ملک کی تقسیم کو خاموشی سے گوارا کر لیتے اور ہندوستان کے کسی مسلمان کے بدن پر ایک خراش تک نہ آتی۔ مگر اس کا اندازہ تھا کہ تقسیم ہند کے بعد شدید حادثے ظہور میں آکر رہیں گے تو پھر مسلمانوں کے بچاؤ کی مناسب تدبیریں اختیار کرنی ضروری تھیں.

ریڈ کلف کا ذکر کرتے ہوئے ماہر تاسف کے ساتھ لکھتے ہیں :

”اس سفاک [illegible] بے ایمانی جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان اختلاف کی مستقل بنیاد ڈال دی"

پھر وہ تقسیم کے وقت مسلمانوں پر جو قیامت گذری اس کا ذکر دلآویز پیرائے میں کرتے ہیں اور یہ تاثرات اس سفرنامۂ کی تاریخی اہمیت میں اضافہ کرتے ہیں:

"دنیا کی کوئی سی بپتا تھی جو مسلمانوں پر نہیں پڑی۔ عزت، عصمت، مال، جائیداد غرض ہر وہ چیز جو ایک انسان کو عزیز ہوتی ہے اس کو قربان کیا گیا، خوشی سے کم جبراً و کرہاً زیادہ مسجدیں ویران اور مدرسہ و خانقاہیں تباہ ہوئیں۔ کتنے کلمہ گو شدائد حالات کی تاب نہ لا کر دین سے پھر گئے۔ پاکستان بن جانے کے بعد مسلمانوں کو توقع تھی کہ اس ملک میں اگر اسلام قائم ہو گیا تو تمام غموں کی تلافی ہو جائے گی، مگر یہاں اب تک جو ہوتا رہا اس نے دلوں میں زخم ڈال دیئے ہیں۔" ماہر نے یہ تاثرات ۱۹۵۵ء میں تحریر کئے تھے، لیکن تقریباً اب بھی وہی آلائشیں جو مصنوعی سرحد کے اس پار ہیں وہی اس پار بھی ملتی ہیں۔ دونوں ملکوں کے رہنماؤں کی ناجائز دولت کا انکشاف آئے دن وہاں بھی ہوتا رہتا ہے اور یہاں بھی ماہر کا تاثر بجا ہے۔

"انقلابات کی اسی دھوپ چھاؤں میں قرنہا قرن گزر گئے"

مدینہ سے ۴ میل کے فاصلہ پر جنت المعلاۃ کے قبرستان کی ویرانی و خستگی اور توڑ پھوڑ کو دیکھ کر ماہر مغموم ہیں اس لیے کے عام مسلمانوں کی قبروں کے ساتھ جو معاملہ نہیں ہونا چاہئے وہ عظیم المرتبت بندوں کی قبروں کے ساتھ کیا گیا۔ ان کا یہ شعر ان کے احساسات کا ترجمان ہے:

فغاں کروں کہ شکایت، ہنسوں کہ اشک بہاؤں
کھڑا ہوا ہوں میں ٹوٹے ہوئے مزاروں پر

لیکن ہندو پاک میں بزرگوں کی قبروں پر میلے لگتے ہیں اور غیر شرعی کام کئے جاتے ہیں ان کا ذکر کرنے کے بعد ماہر لکھتے ہیں:

"ہر بدعت کا قاعدہ ہے کہ وہ کسی ایک حد پر نہیں ٹھہرتی اس میں جدتیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہوتی رہتی ہیں"۔

ماہر مدینہ جانے والی لاری میں آگے جگہ چاہتے تھے مگر سب سے پیچھے جگہ ملی اور اس پر ان کا رد عمل ملاحظہ ہو :

"آدمی کی ہر آرزو پوری ہو جایا کرے تو اس کے تمرد انانیت کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہے۔ یہ اس کی آرزوؤں اور کوششوں کی شکست ہے جو اس کو عبدیت کا احساس دلاتی ہے۔"

مدینہ کے راستے میں غریب عرب قبائل کی عورتوں کا موٹے موٹے نقابوں میں بھیک مانگنے کا منظر اور پھر پانی کی قدر و قیمت کا احساس ماہر کو مغرب کے مسرفانہ معاشرہ کی یاد دلاتا ہے اور وہ اقبال کی طرح اس مصنوعی اور کھوکھلے تمدن پر ضرب لگاتے ہیں :

"یہ تمدن جسے مغرب نے جنم دیا ہے خدا ناشناس تمدن ہے۔ اس کی بنیاد ہی مادی نفع و راحت پر رکھی گئی ہے۔ کیسی آخرت، کہاں کا عذاب و ثواب جو کچھ ہے بس یہی دنیا ہے۔ افادیت نام ہے عیش و تفریح کا جس چیز میں نفس کو لذت اور ہوس کو آسودگی نہ ملے وہ زندگی کے لیے مضر ہے اس لیے قابل اجتناب و گریز و لایق پرہیز۔ ہم نے تو اس ماحول میں پرورش پائی کہ والد مرحوم کھانا کھاتے تو نہ معلوم کتنی بار اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔ میں ان کے ساتھ کھانا کھاتا ہوتا تو روٹی کا نوالہ توڑتے ہوئے کہتے جاتے۔ منظور یہ گیہوں کی روٹی یہ سانس یہ ٹھنڈی چھاؤں ہر کسی کو میسر نہیں ان نعمتوں پر اللہ کا شکر واجب ہے"۔

روضہ اقدس کے سامنے ماہر اپنی کیفیات کو بڑے جذباتی انداز سے بیان کرتے ہیں۔ یہاں بھی عشق اور آداب شریعت کی کشمکش ان کے سامنے ہے اور اس کیفیت کو وہ اپنی غزل کے اس شعر میں منعکس کرتے ہیں :

کس بیم و رجا کے عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے
اک سمت شریعت ہوتی ہے اک سمت محبت ہوتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماہر اعلیٰ درجہ کے موحد ہیں اور بلند پایہ ان کو عشق رسول میں بھی حاصل ہے۔

احتیاط کا عالم اس تحریر میں دیکھئے:

"جس معلم توحید نے ہاتھ چومنے کو عجمیوں کی رسم فرمایا ہو اس کے مزار کی جالیوں کو چومنا عجمیوں کی نکالی ہوئی بدعت نہیں تو اور کیا ہے۔ جو محبت خود حضور کی لائی ہوئی شریعت کی حدود توڑ دیتی ہو وہ حضورؐ کی خوشی نہیں ناخوشی کا ہی کا سبب بنے گی"۔

روضۂ اقدس کے سامنے ماہر صرف اپنے لیے نہیں، بلکہ تحریک اسلامی کے قائد اور عظیم مفکر اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے لیے بھی دعا کرتے ہیں کہ "تیرا یہ فرض شناس حقیر بندہ اور تیرے رسول کا فدائی امتی تیرے دین کی سربلندی کے لیے سب کچھ کر رہا ہے۔ اسے صبر و استقامت کی مزید توفیق عطا فرما"

روضۂ اقدس کے ذکر اور سوز و گداز میں ڈوبے ہوئے 'رشحاتِ قلم' کے معاً بعد اصطفیٰ منزل کے قریب آباد ہندوستان اور پاکستانی نان بائی، ہوٹل والے اور ان کی تیار کردہ اشیائے خورد و نوش بالخصوص شامی کبابوں کا ذکر مزا لے کر کرتے ہیں۔ سچ ہے کہ اسلام رہبانیت کو پسند نہیں کرتا اور اللہ کی نعمتوں سے فیضیاب ہونا بھی اطاعت الٰہی کا حصہ ہے۔

اس سفر نامے کی یہ خوبی ہے کہ یہاں بارگاہ قدس کا ذکر ہے تو اصطفیٰ منزل کے صحن میں ہانڈی پکانے والی استانی اور اس سے بچوں کی چھیڑ چھاڑ کا بھی ذکر ہے۔

ماہر احد کی پہاڑیوں اور اس کے روح افزا مناظر میں کھو جاتے ہیں۔ وہ اپنی تحریر سے عجب روحانی انبساط عطا کرتے ہیں ماضی کے واقعات ان کے ذہن کے پردے پر یکے بعد دیگرے رونما ہوتے ہیں اور تاریخ اسلام مصور ہو کر سامنے آتی ہے، مثلاً

"یہ وہ رزم گاہ ہے جہاں ایمان اور اسلام کے رشتے کے سوا ہر رشتہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول کی خوشنودی کے لیے ٹوٹ چکا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ حضورؐ نے اجازت نہ دی ورنہ حضرت حنظلہ اپنے کافر باپ ابو عامر سے جنگ کرنے کے لیے بارگاہ رسالت میں معروضہ تو کر چکے تھے"۔ .... یہ سعد بن معاذ آرام فرما ہیں جن کی وفات پر رسول اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے فرمایا تھا کہ سعد کی موت پر اللہ تعالیٰ کا عرش جنبش میں آگیا"............ یہ حضرت علی کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا مرقد ہے۔ حضور نے اپنی قمیص مبارک کا کفن ان کو دیا تھا اور ہاں حضور کی دائی حلیمہ سعدیہ بھی چار دیواری کے قریب ایک گوشہ میں سو رہی ہیں۔ حضور کے طفیل انہیں بھی نہ مٹنے والی شہرت حاصل ہو گئی"۔

ایک ایک مزار پر ماہر کا دل کھنچا جاتا ہے اور موت یاد آتی ہے کہ جب ایسے ایسے برگزیدہ لوگ نہ رہے تو ہم بیچارے کیا ہیں، مگر انسان کی غفلت و خود فراموشی پر ماہر افسوس کرتے ہیں اور جنت البقیع سے بہت سی چوٹیں دل پر لے کر واپس آتے ہیں۔

مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کا ذکر بڑے دلکش پیرائے میں ہے:

"اس غرض پرست دنیا میں سب سے زیادہ قحط اخلاص و ہمدردی کا ہے۔ اس جوہر کی ذرا سی بھی جھلک جہاں نظر آجائے بہت بڑی نعمت ہے یوں بناوٹ کی ہمدردی اور تصنع آمیز تواضع کی کمی نہیں۔ آج کل اس دنیا کا کاروبار بناوٹ اور ریاکاری کے سہارے چل رہا ہے"۔

جدہ کے آس پاس کے عالیشان رہائشی مکانات کا ٹھاٹ باٹ دیکھ کر ماہر کا تاثر دیکھئے:

"یہ لے اسی طرح بڑھتی چلی گئی تو دینی و اخلاقی نقطہ نگاہ سے یہ جاہلیت کی ترقی ہو گی۔ جنگی تلواروں نے کسریٰ کے حیرت انگیز قالین "بہار" کے ٹکڑے اڑا دیئے ہوں اگر ان کی اولاد تہذیب و تمدن کی چمک دمک میں الجھ کر رہ جائے تو یہ ترقی کہاں ہوئی یہ تو زوال کی نشانی ہے"۔

ماہر اس سفر نامہ میں جگہ جگہ ملت کی نشاۃ ثانیہ کی آرزو کرتے ہیں اور اس کی راہوں کی طرف واضح اشارے کرتے ہیں۔

یہ نہیں ہوا کہ رسول اللہؐ نے کوہ صفا پر اسلام کا اعلان فرمایا اور اس کے سنتے ہی قریش نے کلمہ پڑھ لیا اور نہ یہ ہوا کو حضورؐ نے ادھر دعا کی ادھر خانہ کعبہ کی چھت سے ہبل گر کر سربسجود ہو گیا۔ مگر اس کی مشیت یہ رہی ہے کہ علمبرداران حق و صداقت کو آزمائش کے آتش کدوں اور ابتلا کے خارزاروں سے گزرنا پڑا ... دعا کی اہمیت اور ضرورت اپنی جگہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یقینی ٘مگر صرف دعاؤں سے انقلاب نہیں آتا:

دعا کے ساتھ تدبیریں عمل کے ساتھ تکبیریں
خدا کی راہ میں بھی ساز و ساماں کی ضرورت ہے

ماہر نے سفر نامہ کے آخری حصہ میں جو تاثرات ظاہر کیے ہیں اور جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ ہر دور کے لیے معنویت رکھتے ہیں بالخصوص اس عہد میں جب کہ اخلاقی قدروں کا زوال انتہا کو پہنچ چکا ہے اس کی اہمیت اور افادیت اور بڑھ جاتی ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"اگر کسی کو راہبوں اور پروہتوں کی تقلید منظور ہو تو اسے اختیار ہے کہ وہ اطمینان و سکون کے ساتھ تسبیح گھماتا رہے۔ چلے کھینچتا رہے مگر جو کوئی حضور ﷺ کے نقش قدم کو دلیل راہ بنا کر اللہ کے دین کو قائم کرنا چاہتا ہے تو پھر باطل کی ایک ایک قوت کو چیلنج کرنا ہوگا۔ اس راہ میں عتبہ وابوجہل ہی نہیں عبداللہ بن ابی اور جمال ناصر بھی ملیں گے۔ یہاں عبدالقادر عودہ اور قرعلی کی طرح جھوم جھوم کر اللہ کا کلمہ بلند کرتے ہوئے پھانسی کے تختہ کی طرف جانا ہوگا"۔

"اخوان المسلمون پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ انہوں نے اس ہوا و ہوس اور لذت و نشاط کے دور میں بتایا کہ اقامت دین کی راہ کن منزلوں سے گذرتی ہے"۔

"تاریخ میں جتنے سیاہ ورق نظر آتے ہیں ان کی زیادہ تعداد مغرب نے فراہم کی ہے۔ تاریخ پر سب سے بڑا احسان حجاز مقدس کا ہے"۔

علم و تحقیق کی روز افزوں ترقی کے باوجود اخلاق و شرافت کے زوال پر ماہر کی آنکھیں نم ہیں، لکھتے ہیں:

"علم اور نیکی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جو علم نیکی کو نہ پھیلا سکے وہ علم نہیں کوئی اور چیز ہے"۔

ماہر کے اس سفر نامے میں بعض نثر پارے دل میں جگہ بنا لیتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں ایجاز و اختصار کے ساتھ مفہوم کا دریا ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے مثلاً "زمانہ کی تاریخ کے اوراق [illegible] تاج بر سر تو کوئی کفن در بر"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کبھی کسی خاندان کی فرمانروائی تو کبھی کسی خانوادے کی حکومت ' ایک کا عروج دوسرے کا زوال کسی کے اقتدار کی شام ہوئی اور کسی کے اقبال کی صبح طلوع ہوئی۔ یہ بناوہ بگڑا وہ تخت پر دوسرا بستر مرگ پر"۔

وقت بڑا گریز پا واقع ہوا ہے۔ مخلوقات میں شاید سب سے زیادہ بے چین چیز پارہ ہے اس لیے شعر و افسانہ کو زبان میں محبوب کو سیماب وش کہتے ہیں۔ مگر پارہ بھی قائم النار ہو جاتا ہے۔ لیکن وقت کو کوئی طاقت ٹھہرا نہیں سکتا۔ کسریٰ کا خزانہ جب لونٹوں پر لد کر مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ رونے لگے۔ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ اس راہ سے تم میں دنیا آرہی ہے""بنگلوں کوٹھیوں کی آرائش کی کوئی حد وانتہا نہیں ' مگر دل کی دنیا ویران جیسے سدا اس عالم آب و گل میں رہنا ہے اور موت کا فرشتہ ان شبستانوں میں کیوں آنے لگا۔"

چلتے چلاتے ماہر اپنے وطن عزیز کی سیاسی و تہذیبی صورت حال پر ایک آدھ جملہ لکھ جاتے ہیں جو ہزار تحریروں پر بھاری ہے پاکستان کیا ہے ایک خوان یعنی کہ جس نے چاہا جھپٹا مار الور جو ہاتھ آیا لے بھاگا۔

حرمین شریفین سے واپسی میں جہاز سے سمندر کی لہروں کو دیکھ کر ماہر کا شاعرانہ ذوق بیدار ہو جاتا ہے اور نثر میں شاعری شروع کر دیتے ہیں ماہر کو یہ احساس ہے کہ اس سفر نامۂ میں سفر کے ساتھ زمانہ اور ابنائے زمانہ پر بھی تبصرے ہیں اور جن تفکرات میں مصنف زندگی بھر غلطاں رہا ہے ' ان کی جھلک بھی ہے باتوں باتوں میں اپنی داستان کے بجائے وہ زمانہ کی داستان کہنے لگتے ہیں۔ بلکہ گرد و پیش کے احوال سے آگے بڑھ کر وہ اپنے خوابوں تمناؤں اور اسلام اور ملت کے لیے اپنی دیرینہ آرزوؤں کی جھلک پیش کرنے لگتے ہیں۔ انہیں یہ بھی احساس ہے کہ اس سفر کی جو لذتیں ہیں وہ کاغذ پر منتقل نہ کر سکے لکھتے ہیں۔ "حرمین شریفین کی زیارت ایک خواب سا معلوم ہوتی ہے اور اس خواب کا ایک حصہ بھی تو ٹھیک سے کاغذ پر منتقل نہیں ہو سکا"۔ "بعض لوگوں کو شاید شکوہ ہو کہ میں نے بہت سی باتوں کو طول دے دیا ہے۔ یہ شکوہ درست بھی ہو سکتا ہے۔

"من از ذوق حضوری طول دادم داستانے را"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"کاروانِ حجاز" میں اگر داستان کو اس طرح طول نہ دیا جاتا اور ماہر کے احساسات اور رجحانات کا انعکاس نہ ہوتا تو شاید اس کی عصری معنویت برقرار نہ رہتی۔ وہ ایک حکیم، دانشور، مفکر "اور اسلام و ملت کے ایک مخلص دردمند اور جانباز خادم کی حیثیت سے ان صفحات پر جلوہ گر ہیں اور فکر و خیال اور جذبہ و احساس کی اس تب و تاب نے اس سفر نامۂ حرمین شریفین کو آفاقی و لازوال بنا دیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

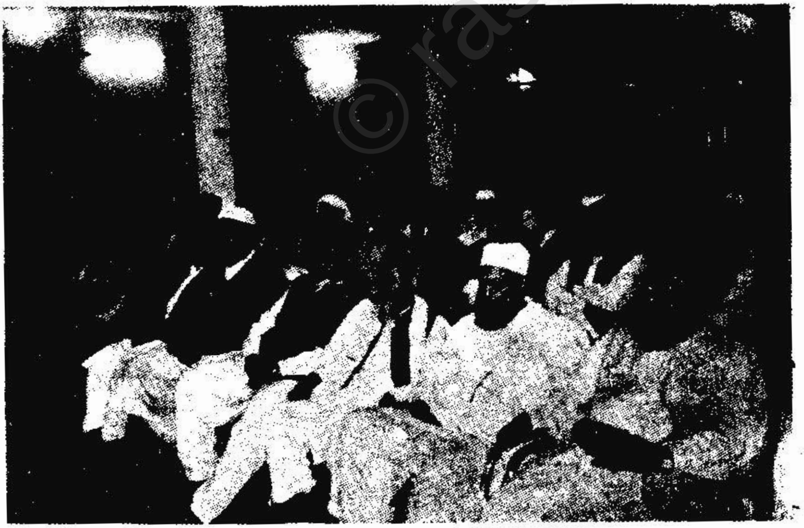

عالمی رابطہ ادب اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام پرل کانٹی نینٹل ہوٹل میں تقسیم شیلڈز کی، نشست میں مہمانوں کا ایک گوشہ، جس میں میاں محمد اجمل قادری، حافظ فضل الرحیم، میاں محمد صادق (مدیر اعلیٰ روزنامہ وفاق) اور ڈاکٹر نور الدین جامی (ملتان) نمایاں ہیں۔

© rasailojaraid.com